بسم اللہ الرحمن الرحیم

إِنَّ الْحَمْدَ لِلَّهِ نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا مَنْ يَهْدِهِ اللَّهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يُضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ وَسَلَّمَ تَسْلِيمًا كَثِيرًا: أَمَّا بَعْدُ:

42-اللہ تعالیٰ کی دو آنکھوں کے ثبوت کا بیان

العقیدۃ الواسطیۃ لشیخ الاسلام الامام ابو العباس احمد ابن تیمیہ الحرانی رحمہ اللہ، شرح فضیلۃ الشیخ العلامہ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ،اور جہاں پر رُکے تھے وہیں سے درس کا آغاز کرتے ہیں۔

شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے اللہ تعالیٰ کی صفات الکمال میں سے دونوں ہاتھوں کی صفت کو بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی دونوں آنکھوں کا بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی دو آنکھیں ہیں (جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے شایان شان ہے)اور اس کے ثبوت میں تین آیات پیش کی ہیں قرآن مجید میں سے۔

پہلی آیت شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ مصنف رحمہ اللہ نے تین آیات بیان کی ہیں: "الآية الأولى" پہلی آیت جو ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا﴾(الطور:48)۔

شیخ صاحب فرماتے ہیں(شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ): خطاب یہاں پر اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ہے۔اور صبر کا معنی پھر بیان کیا ہے: ﴿وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا﴾۔

پہلے تو ہم بات کر لیں اصل بات جو ہو رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات الکمال کا ہم ذکر کر رہے ہیں اور ان صفات الکمال میں سے اللہ تعالیٰ کی دونوں آنکھوں کی صفت جو ہے وہ ثابت ہے جیسا کہ عقیدہ ہے اہل سنت والجماعت کا، آج کے درس میں ہم دیکھتے ہیں کہ اس کے دلائل کیا ہیں قرآن اور سنت کی روشنی میں۔

جو پہلی دلیل ہے سورۃ الطور آیت نمبر 48 کی آیت ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا﴾: (اور صبر کریں حکم سے صبر کرنے کا) ﴿لِحُكْمِ رَبِّكَ﴾ (اپنے ربّ کے حکم پر) ﴿فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا﴾ ((یہ شاہد ہے) بے شک آپ ہماری آنکھوں میں ہیں ﴿فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا﴾)۔

جیسا کہ ہم پہلے سے جانتے ہیں کہ شیخ ابن عثیمین (رحمہ اللہ) کا جو طریقہ ہے شرح کا بہت ہی پیارا طریقہ ہے اور ایک مختصر تفصیل سے آیات کی تفسیر بھی کرتے ہیں، اور اس آیت کی ابتداء میں اس سے پہلے کہ ﴿فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا﴾ کا ذکر کریں انہوں نے صبر کے تعلق سے چند اہم باتیں کی ہیں، فرماتے ہیں صبر کا معنی لغت کے اعتبار سے: "بمعنی الحبس"۔

عربی زبان میں جب ہم بات کرتے ہیں آپ دیکھتے ہیں کہ جو معنی ہے لغوی معنی ہوتا ہے، اصطلاحی بھی ہوتا ہے اور شرعی بھی ہوتا ہے۔ عربی زبان میں آپ کو یہ معنی کیوں ملتا ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ شرعی معنی اور لغوی معنی یا اصطلاحی معنی بھی بعض اوقات ہم بیان کرتے ہیں۔

آپ دیکھیں کہ عربی زبان قرآن مجید کے نازل ہونے سے پہلے بھی بولی جاتی تھی کہ نہیں؟ بولی جاتی تھی نا۔ اس دین اسلام کی جو ایک خوبصورتی ہے نا وہ یہ ہے کہ وحی کے نازل ہونے کے بعد عربی زبان کی جو گرامر ہے وہ سب سے زیادہ مضبوط ہوئی ہے اگرچہ عرب پہلے سے موجود تھے اور قریش چیلنج کیا کرتے تھے۔

عرب کو عرب کیوں بولا جاتا ہے؟ عرب کی ضد ہے عجم عجم کا ترجمہ کیا کرتے ہیں انگلش میں ہم؟ ڈیف اینڈ ڈمب (Deaf and Dumb) یہ کہتے ہیں نا۔ مطلب عربی زبان جو بولتے ہیں ان کے پاس اتنے وسیع معنی ہیں لینگویج کے (زبان کے) کہ کسی اور زبان میں ہوتے نہیں ہیں۔

تو عربی زبان پہلے سے بولی جاتی تھی لیکن عربی زبان کے ساتھ کوئی زبان کھڑی نہیں ہو سکی مقابلے میں اور نہ کبھی ہو گی، اور یہ حکمت ہے (سبحان اللہ) کہ اللہ تعالیٰ نے اس زبان کا انتخاب کیا ہے آخری رسالت کے لیے قرآن مجید کے لیے۔

تو لغت کے اعتبار سے معنی یہ ہے کہ عربی زبان میں اس لفظ کا معنی کیا ہے؟ صبر ہے (عام لفظ ہے ہم سب کہتے ہیں صبر)۔اس کا معنی کیا ہے؟ کہتے ہیں لغت میں معنی "الحبس" (روکے رکھنا)۔

جب ہم کسی کو روک کر رکھتے ہیں (روکنا کسی چیز کو) یا قید میں رکھتے ہیں، حبس روکنے کو کہتے ہیں بند کرنے کو کہتے ہیں یا قید میں کسی کو رکھنے کو کہتے ہیں یعنی وقتی طور پر کسی چیز کو روکنا "الحبس"۔

"ومنه قوله" (اور اسی میں سے قول ہے عرب کا) "قتل صبراً، أي: قتل وقد حبس للقتل" (قتل صبراً: یعنی کسی کو سزائے موت سنادی گئی پھر اس کا قتل کیا گیا اسی سزا کے لیے)، قید میں رکھا گیا "قتل صبراً" یعنی "قتل وقد حبس للقتل" ("قتل صبراً" عربی زبان میں کہا جاتا ہے جب اُس کو قید ہی قتل کرنے کے لیے کیا جاتا ہے تو اسے کہتے ہیں "قتل صبراً")۔

"فالصبر في اللغة: بمعنى الحبس" (یہ لغت میں ہے)۔

"وفي الشرع" (شریعت سے مراد: قرآن مجید کے نازل ہونے کے بعد وحی کے نازل ہونے کے بعد)۔

لفظ وہی ہے صبر ہے دیکھیں معنی میں کیسے چار چاند لگ گئے! معنی کیسے تبدیل ہوا!

"هو الصبر لأحكام الله": مختصر بتایا ہے شیخ صاحب نے بڑی پیاری تفصیل دیکھیں یہاں پر: "يعني: حبس النفس لأحكام الله" (اپنے نفس کو قابو میں رکھنا (روکے رکھنا) اللہ تعالیٰ کے احکام کی پیروی کرنے کے لیے ("يعني: حبس النفس لأحكام الله" یہ صبر ہے شرع میں))۔

احکام اللہ کی کتنی قسمیں ہیں؟ اللہ تعالیٰ کے حکم دو قسم کے ہیں: (۱) شرعی ہیں۔ (۲) اور کونی اور قدری ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا حکم یا تو شریعت میں آتا ہے (شرعی حکم ہے)، یا جو تقدیر میں ہوتا ہے (کن فیکون)، مقدر میں کیا ہوتا ہے۔ یہ بھی حکم ہے، یہ بھی حکم ہے۔

جو شرعی حکم ہے اس کی دو قسمیں ہیں: (۱) أوامر ہے۔ (۲) اور نواہی ہے۔ یا تو حکم کی تعمیل کرنی ہے أوامر ہیں، یا جس چیز سے منع کر دیا گیا ہے اس سے رُکنا ہے اسے نواہی کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے احکام پر صبر کرنے کا معنی ہے: "فالصبر على طاعة الله صبر على الأوامر، والصبر عن معصيته صبر عن النواهي" ((اللہ تعالیٰ کے احکام ہیں شرعی ہیں کونی اور قدری ہیں، شرعی دو ہیں: أوامر ہیں نواہی ہیں) أوامر پر صبر کرنا ہے اور نواہی کو ترک کرنے پر صبر کرنا ہے)۔

جو احکام بجالانے ہیں ﴿وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ﴾(البقرۃ:43) فعل أمر ہے کہ نہیں؟ فعل أمر ہے۔ہم جب نماز پڑھتے ہیں صبر کر کے پڑھتے ہیں کہ نہیں پڑھتے؟

تو صبر کرتے ہیں پھر نماز پڑھتے ہیں بغیر صبر کے کیسے نماز پڑھتے ہیں؟!تو نماز سے پہلے بھی صبر ہے، نماز کے دوران بھی صبر ہے، نماز کے بعد بھی صبر کرنا پڑتا ہے تو صبر ہے پورا، تو "حبس النفس علي أوامر الله"۔

﴿وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا﴾(النساء:36)، منع کر دیا گیا نا(نہی ہے) شرک نہیں کرنا ہے کسی کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک نہیں ٹھہرانا ہے منع کر دیا گیا، تو نفس کو روکے رکھنا ہے شرک سے دور رکھنا ہے۔

اور جو احکام کونیہ قدریہ ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر ہے جو اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائی ہے اُس پر صبر کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جو تقدیر ہے اس پر صبر کرنا ہے اچھی ہے یا بُری ہے۔اور مصیبتوں پر صبر کرنا، تکلیفوں پر صبر کرنا یہ کس چیز پر صبر کرنا ہے؟"احکام الله الكونية القدرية"تقدیر پر صبر کرنا۔

شیخ صاحب فرماتے ہیں: اسی لیے بعض علماء نے تین قسمیں بیان کی ہیں صبر کی، کہتے ہیں صبر کی تین قسمیں ہیں: (۱) اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری پر صبر کرنا"على طاعة الله"۔(۲)"وصبر عن معصية الله"(اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے دور رہ کر صبر کرنا)۔(۳)اور اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر صبر کرنا۔

اور یہاں پر﴿وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ﴾:﴿لِحُكْمِ رَبِّكَ﴾ میں یہ دونوں شامل ہیں کہ نہیں؟یعنی احکام شرعیہ اور احکام کونیہ اس میں سب شامل ہیں، اگر تینوں قسمیں کہیں تو تینوں قسمیں اس میں شامل ہیں۔

فرق پڑتا ہے کہ ثنائی اور ثلاثی تقسیم کہاں سے آئی ہے؟

عام طور پر کیا کہتے ہیں؟ کہتے ہیں تین قسمیں ہیں یہی سنتے ہیں شروع سے نا۔یہ جو تقسیم ثنائی ہے یہ دو قسمیں بیان کی گئی ہیں تقسیم ثنائی کہاں سے آئی کوئی فرق ہے ویسے؟

دو سے تین نکلے نا: أوامر اللہ پر صبر کرنا(جو شرعی أوامر ہیں دو ہیں نا) أوامر ہیں اور نواہی ہیں دو ہو گئے نا، تیسرا جو ہے وہ تقدیر پر جو ہے مصیبتوں پر صبر کرنا۔

مثالیں دیکھیں:

اب أمر پر صبر کرنا،اللہ تعالیٰ کا حکم شرعی جو أمر ہے اس پر صبر کرنا ہے اس کی پہلی مثال اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿يَآاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ﴾۔﴿بَلِّغْ﴾ فعل أمر ہے۔

﴿يَآاَيُّهَا الرَّسُوْلُ﴾ (اے رسول علیہ الصلاۃ والسلام !) ﴿بَلِّغْ﴾ (آپ تبلیغ کریں) ﴿مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ﴾ (جو بھی آپ کے ربّ کی طرف سے آپ پر نازل ہوا ہے) إلی آخر الآیۃ (المائدۃ:67)۔

دوسری آیت میں: ﴿اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ﴾ إلی آخر الآیۃ (النحل:125) یہاں پر فعل أمر کیا ہے؟ ﴿اُدْعُ﴾۔

شیخ صاحب فرماتے ہیں: یہ بڑے عظیم أوامر ہیں۔

کس اعتبار سے عظیم ہیں شیخ صاحب فرماتے ہیں: اگر حکم ہے "اعبد ربك" (اپنے ربّ کی عبادت کرو) یہ زیادہ مشکل ہے یا ﴿اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ﴾ زیادہ مشکل ہے؟

عبادت ہم کرتے ہیں اپنی حد تک، ﴿وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ﴾ نماز پڑھتے ہیں،اور ﴿اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ﴾ جو ہے کہ اپنے ربّ کے راستے کی طرف دعوت دو، مشکل کیا ہے ان دونوں میں سے؟ دعوت دینا مشکل ہے۔فرق کیا ہے؟ دونوں عبادات ہیں۔

جو عبادت ہم ذاتی کرتے ہیں وہ بھی عبادت ہے، جو متعدی ہے دعوت اور تبلیغ یہ بھی عبادت ہے فرق صرف اتنا ہے کہ جب ہم نماز پڑھتے ہیں تو اس کا جو اثر ہے وہ ہماری شخصیت تک محدود ہے، لیکن جب دعوت دیتے ہیں تو اس میں دوسرے بھی انوالو (Involve) ہوتے ہیں (دعوت آپ باہر دیتے ہیں)، پھر اس میں مخالفت بھی ہوتی ہے، رکاوٹیں بھی پیدا ہو جاتی ہیں تکلیفیں بھی زیادہ برداشت کرنی پڑتی ہیں صبر بھی زیادہ کرنا پڑتا ہے کمپیریٹیولی (Comparatively)۔ نہیں؟! دیکھیں پھولوں کے ہار تو نہیں پہنائیں گے!

دعوت کی اساس کیا ہے؟ علم کی بنیاد ہے نا، علم کے بعد آپ دیتے ہیں اور توحید کی دعوت دیتے ہیں أمر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے (آپ اچھائی کی طرف بلاتے ہیں اور بُرائی سے روکتے ہیں) یہی دعوت ہے نا ساری۔

انسان کی جو طبیعت ہے فطرت ہے عام طور پر وہ جب آپ کسی کو کسی چیز سے روکتے ہیں نا تو اُس سے کترانا شروع کر دیتے ہیں اسے ناپسند کرتے ہیں، اور نہی عن المنکر خاص طور پر۔ دیکھیں اُمر بالمعروف کو تو لوگ عام طور پر پسند ہی کر لیتے ہیں، آپ کوئی اچھا کام کریں "تو اچھا کام کرنے والے ہیں اچھی بات ہے"۔ اچھائی کی طرف رغبت دلانا عمومی طور پر کوئی آپ کو مشکل نہیں پیدا کرتا عام طور پر، جب آپ بُرائی سے روکتے ہیں اور نفس بُرائی کی طرف آمادہ ہوتی ہے بُرائی کرنا چاہتی ہے آپ اُس سے روکتے ہیں تب مسئلہ پیدا ہوتا ہے۔

اس لیے بعض دعوت اور تبلیغ کے معاملے میں آپ دیکھیں انہوں نے دوسرے حصے کو نکال دیا ہے، کہتے ہیں: "دعوت کامیاب تب ہوتی ہے جب آپ صرف اُمر بالمعروف کرتے رہیں، نہی عن المنکر کو ذرا نظر انداز کر دیتے ہیں"۔

یہ بہت بڑی غلط فہمی ہے اور بہت بڑا دھوکا ہے وہ کیسے؟ جب آپ لوگوں کو خیر کی طرف بلاتے ہیں وہ خیر ہی کیسے مکمل خیر ہو سکتا ہے جو آپ شَر سے لوگوں کو نہیں بچا سکتے؟! یا جب شَر کے تعلق سے لوگوں کو خبر دار نہیں کر سکتے اُس دعوت میں کیا خیر ہو گی؟!

یعنی توحید تو لوگوں کو بتایا کہ ایک اللہ کی عبادت کرو (دیکھیں کتنی اچھی بات کرتا ہے!)، بالکل: ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾(الاخلاص:1) ایک اللہ تعالیٰ ہے اور ایک اللہ کی عبادت ہی کرنی ہے، اور ہم سب بھی ہر مسلمان ایک اللہ کی عبادت کرتا ہے۔

لیکن جب آپ کہتے ہیں یا غوث مدد مدت کہو یا علی مدد مدت کہو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مشکل کشا نہیں ہے، علی مشکل کشا نہیں ہے اللہ مشکل کشا ہے تب جھگڑا ہوتا ہے کہ نہیں؟! ابھی پہلے تو آپ کے ساتھ تھے! وہ بھی سورۃ الاخلاص پڑھتے ہیں وہ بھی اس کی تفسیر کرتے ہیں کہ نہیں کرتے؟! وہ بھی کرتے ہیں۔

لیکن جب بات نہی عن المنکر کی آتی ہے اور آپ کہتے ہیں "نہیں یہ منکر ہے"۔ ارے علی کو پکارنا کیسے منکر ہے؟! کیونکہ پکارنا عبادت ہے کہ نہیں؟ "الدُّعاءُ هوَ العبادةُ" ہے کہ نہیں؟ عبادت کا حقدار اللہ تعالیٰ ہے کہ نہیں؟ جب آپ یہی حق کسی اور کو دے دیتے ہیں مخلوق میں سے شرک ہوا کہ نہ ہوا؟ ﴿وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا﴾(عبادت صرف ایک اللہ کی کرو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہراؤ)(النساء:36)۔

اور "**کسی**" میں سب شامل ہیں کہ نہیں؟ یہ تو نہیں فرمایا کہ نبی کو شامل کرو اور ولی کو شامل کرو اس کے علاوہ کسی اور کو شامل مت کرو عبادت میں! نہیں! سب کے لیے ہے صیغ العموم ہے۔

﴿شَيْـًٔا﴾ کیا ہے؟ نکرۃ ہے۔ ﴿لَا تُشْرِكُوْا﴾ کیا ہے؟ نہی ہے۔ ''النكرة في سياق النفي تفيد العموم''۔ یہ عربی زبان ہے عربی زبان کے اصول ہیں۔ ہر زبان کے اپنے اصول ہیں کہ نہیں؟ قواعد (گرامر) ہے کہ نہیں؟ عربی زبان کے اصول کی کیسے مخالفت ہو جاتی ہے؟!

اور عربی زبان کے جو اصول ہیں اللہ کی قسم وہ ہر زبان سے زیادہ مضبوط ہیں، جتنی بھی زبانیں موجود ہیں دنیا میں سب سے زیادہ مضبوط جو گرامر ہے وہ عربی زبان کی ہے اس کے باوجود بھی (سبحان اللہ) عربی گرامر کے ماہر بھی ہیں (مہارت کا یعنی دعویٰ بھی کرتے ہیں) عربی بول بھی لیتے ہیں تفسیر بھی کر لیتے ہیں ترجمہ بھی اچھا کر لیتے ہیں لیکن عمل میں پیچھے رہ جاتے ہیں۔ وجہ کیا ہے؟ کہ خواہش نفس کا جو معاملہ ہے بالکل مخالف ہے۔ تو یہ بہت بڑا دھوکا ہے!

اُمر بالمعروف ہے تو نہی عن المنکر بھی ساتھ ہے اس لیے: ﴿اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ﴾ (النحل:125)۔ کیا یہ تین چیزیں بغیر علم کے ممکن ہیں کیا؟!

جدال کرنا احسن طریقے سے احسن کب ہو گا؟ جب اساس علم کی ہو گی (اس پر بات کروں گا کبھی میں ان شاءاللہ)۔

کچھ ایسے سوال بھی ہیں کہ دعوت اور تبلیغ کیسے کریں؟ جیسے اس سے پہلے بھی سوال ہوا وہ پینڈنگ (Pending) ہے کہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کیسے کریں؟

میں صرف قرآن مجید میں سیاق اور سباق صرف دیکھیں تھوڑا غور و فکر کریں کہ اتنے پیارے انداز میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے واللہ یہی کافی ہے! اگرچہ احادیث کا مجموعہ بھی موجود ہے بہت ساری اور سورتیں بھی ہیں اور آیات کو ملائیں میں ایک سورۃ میں سے ایک حصہ آپ کو بتادوں گا اور دیکھیں کمال ہے! اُس کے ساتھ اگر ایک اور بھی آپ آیت ملادیں گے تو نور علی نور ہے اللہ کی قسم! آپ کو کسی بڑے مجلد یا بڑی کتاب کو پڑھنے کی ضرورت بھی نہیں پڑے گی۔

عجب ہے یہی قرآن پڑھتے ہیں ہم یہی آیات بار بار پڑھتے ہیں ختم پر ختم بھی کرتے ہیں لیکن سمجھ میں عمل میں ہم کیوں پیچھے ہیں وجہ کیا ہے؟! کیونکہ جو اصل پیغام ہے نا اس پیغام سے اگر ہماری خواہش کے مطابق ہے تو قبول ہے خواہش کے مطابق نہیں ہے تو وہ پیغام پھر قبول نہیں ہے، پھر اس میں ہم چور راستے (دروازے) ڈھونڈتے ہیں کہ کس امام نے کس عالم نے کس فلاں نے کیا کہا ہے اور کس طریقے سے میری خواہش وہاں پر کیسے پوری ہو سکتی ہے، جبکہ میری اور آپ کی خواہش کی حیثیت ہی کیا ہے بھئی؟! اگر حیثیت ہے تو اتباع سنت کی ہے۔

اتباع کس چیز کی کرنی ہے ہم نے؟ "قال الله وقال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم"۔

یہ تو ہیں اُوامر جو ہیں۔

اور شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ): یہ سب سے مشکل کام ہے دعوت و تبلیغ کا کام جو ہے کیونکہ اس میں آپ تھکتے ہیں اور مخالفین جو ہیں ان کے خلاف جہاد بھی کیا جاتا ہے (علم سے جہاد جو ہے اور دعوت و تبلیغ سے جہاد جو ہے) اور یہ اس اعتبار سے مشکل ہے۔

اور نواہی کی مثال جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو منع کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾ (آپ مشرکین میں سے نہ ہوں اے میرے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!) (الانعام: 14)۔

اور دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ﴾ (الزمر: 65)، یعنی شرک مت کریں۔

خبر ہے لیکن معنی نہی کا ہے یاد رکھیں، کیونکہ نہی کا جو ہے وہ نہی کے لفظ سے بھی ہوتا ہے منع کرنا اور خبر بھی جس کا معنی سیاق اور سباق سے نہی مقصد ہوتا ہے، اب دیکھیں:

﴿وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾: منع کر دیا گیا ہے (نہی ہے)۔

﴿لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ﴾: نہی ہے یہاں پر؟ کوئی نفی کا کوئی نہی کا کوئی حرف ہے؟ نہیں ہے۔

﴿لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ﴾ کیا ہے؟ عمل اکارت ہو جائے گا۔ منع تو نہیں کیا لیکن جب عمل اکارت ہوتا ہے کسی چیز سے تو منع ہے کہ نہیں؟

اس کی دوسری مثال: فعل أمر سے نہی ہوسکتی ہے کہ نہیں؟ یہ خوبصورتی ہے عربی زبان کی آپ أمر کر رہے ہیں۔ أمر کی ضد نہی ہے نا أمر میں ضد ہوسکتی ہے؟ یہ کمال ہے۔

"اجْتَنِبُوا السَّبْعَ الْمُوبِقَاتِ" فعل أمر ہے کہ نہیں؟ "اجْتَنِبُوا" کیا ہے اجتناب فعل أمر ہے کہ نہیں؟ اور معنی کیا ہے نہی ہے کہ نہیں؟ کہ اجتناب کرو یعنی یہ سات چیزیں مت کرو (یہ کمال ہے)۔

اب یہاں پر دیکھیں ﴿لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ﴾ ((خبر ہے أمر بھی نہیں ہے) اے میرے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اگر آپ بھی شرک کریں میں آپ کے عمل بھی اکارت کردوں)۔ یعنی شرک سے کوئی عمل باقی نہیں رہتا سارے نیک اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔ "... وما أشبه ذلك" (اور بھی اس کی مثالیں ہیں)۔

جو قدری احکام ہیں ہم جانتے ہیں کہ (شیخ صاحب فرماتے ہیں) اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیفیں دی گئیں اپنی قوم سے "قولي وأذى فعلي" (قول سے بھی بدزبانی بدکلامی، بدتمیزی، اور مذاق اڑانا اور بہت ساری تہمتیں لگانا یہ معمول تھا مشرکین کا، اور اسی طریقے سے لوگوں کو متنفر کرنا اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے۔ یہ زبانی گالی گلوچ دینا اور مختلف یہ ساری کیا چیزیں ہیں؟ یہ زبانی اذیت ہے۔

اور سب سے پہلے آپ یہ دیکھیں قرآن مجید میں بھی دیکھیں جیسے کہتے ہیں کہ ایک فزیکل ٹارچر (Physical torture) ہوتا ہے اور ایک سائیکلوجیکل ٹارچر (Psychological torture) ہوتا ہے تو انہوں نے کوئی کسر نہیں چھوڑی! یعنی اللہ تعالیٰ کے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، الصادق الأمین خود گواہی دیتے ہیں پھر کہتے ہیں کذاب ہے! ابھی کچھ دن پہلے صادق الأمین تھے اب کذاب کیوں ہو گئے؟! کیونکہ جو دعوت توحید لے کر آئے ہیں اس کو قبول نہیں کر سکتے کیونکہ دل (نعوذ باللہ) شرک سے بھرے ہوئے ہیں اور وہی دعوت چاہتے ہیں جو اُن کی خواہش کے مطابق ہو۔

"قُولُوا: لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ"، کہتے ہیں کہ کہنے کے لیے تیار ہیں لیکن یہ مت کہیں کہ لاإلہ إلا اللہ میں ان کو چھوڑنا پڑے گا جو ہمارے بُت ہیں!

اللہ کے وجود کو مانتے تھے کہ نہیں؟ مانتے تھے، ابوجہل ابولہب سب مانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ موجود ہے، خالق اللہ تعالیٰ ہے، عرش کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے، زمین وآسمان کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اس میں اختلاف ہی نہیں تھا۔ اختلاف

کس چیز میں تھا؟ کہ ایک اللہ کی عبادت کریں توحید عبادت میں (جو توحید کی اساس ہے)۔انہوں نے کہا یہ مت کہیں ہمیں۔کہتے ہیں کذاب ہے! معجزات دکھائے آیتیں دکھائیں، کہتے ہیں یہ جادو گر ہے!

دل پر اثر ہونا شروع کیا باپ بیٹے سے جدا ہو گیا بھائی بھائی سے جدا ہو گیا دعوت قبول کی، گھر سے ان لوگوں نے (مشرکین نے) نکالا، کہا: "دیکھیں یہ جادو گر ہے یہ تو رشتے کو توڑنے کی باتیں کرتا ہے یہ تو رشتے توڑ رہا ہے" (سبحان اللہ)۔

خبر دی قیامت کی، سابقہ قوموں کی خبریں ہیں کہ اللہ سے ڈرو تم سے پہلے قومیں گزری ہیں دیکھو سیدنا نوح علیہ الصلاۃ والسلام کی قوم کے ساتھ کیا ہوا، سیدنا لوط علیہ الصلاۃ والسلام کی قوم کے ساتھ کیا ہوا، فرعون کا کیا بنا، فلاں کا کیا بنا۔کہتے ہیں "یہ تو کاہن ہے"۔دیکھیں کیسے ٹارچر (torture) کر رہے ہیں؟!

اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یعنی دعوت میں کوئی کسر ذرّہ برابر بھی نہیں چھوڑی لیکن اُن لوگوں نے ذرّہ برابر بھی انکار کرنے کا کوئی راستہ نہیں چھوڑا ہر راستہ اختیار کیا انکار کرنے کا۔

دیکھیں سدّ باب کیسے شیطان کرتا ہے اور شیاطین الانس تو ویسے بھی تیار ہوتے ہیں نا ہر زمانے میں مصیبتیں کھڑی کرنے کے لیے رکاوٹیں کھڑی کرنے کے لیے خیر کے راستے میں۔

الغرض، اور جو فعلی ہیں تکلیفیں اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچائی گئیں بہت زیادہ ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک روایت میں آیا ہے (جیسا کہ صحیح بخاری، مسلم کی روایت میں آیا ہے) سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کعبے کے سامنے سجدہ ریز ہیں (سجدہ کر رہے ہیں) اور ایک شخص ہے عقبہ بن اُبی معیط جو ہے مشرک آیا اور اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جو گندگی ہے (اونٹ کو ذبح کرنے کے بعد جو گندگی ہوتی ہے) وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سَر پر اور کمر پر جو ہے نا سجدے کی حالت میں ڈال دی۔

یعنی یہ سلوک جو ہے عرب جو ہیں وہ غلاموں کے ساتھ بھی نہیں کرتے تھے اتنا مطلب ہے بہت بڑی ایک بد تمیزی سمجھی جاتی ہے کہ اتنا بڑا اقدام اور وہ بھی اپنے رشتے دار کے لیے! اور ایسی عظیم شخصیت کے لیے جس کو صادق اور اَمین

کہتے تھے! اور سب سے عظیم شخصیت پورے مکہ میں جاہلیت میں بھی اسلام میں بھی اپنے زمانے کی کوئی بھی نہیں تھا، بے مثال! اس کے باوجود بھی ایسا عمل کر دیا۔

اصل مقصد کیا تھا؟ تکلیف پہنچانی ہے اذیت پہنچانی ہے، کسی بھی طریقے سے اس دعوت کا خاتمہ کرنا ہے اور گندگی راستے میں پھینک کر چلے جانا!

اور دوسری روایت میں آیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہاتھوں سے بھی مارا گیا پیٹا گیا! سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی دوسری حدیث صحیح بخاری میں آیا ہے یہاں پر شیخ صاحب نے بیان نہیں کیا لیکن فرماتے ہیں ہم نے دیکھا کہ بھیڑ ہے کعبے کی طرف دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہاتھوں سے مارا جارہا ہے پیٹا جارہا ہے! پھر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا آئیں اور اپنے والد کو (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو) اُن سے بچایا اس کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے برداشت کیا۔ اور ایک روایت میں آیا ہے (متفق علیہ حدیث میں یعنی) اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا اُحد کے دن کے علاوہ بھی آپ کو کوئی تکلیف پہنچی ہے؟ (یعنی سب سے زیادہ مشکل دن اُحد کا دن تھا کہ ستّر صحابہ کو شہید کر دیا گیا، سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت غمزدہ تھے)۔

تو ایک مرتبہ بیٹھے تھے سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اُم المؤمنین آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کرتی ہیں، کہا یہ تو بتائیں کہ اُحد کے دن سے کوئی مشکل دن آپ کی زندگی میں آیا ہے کبھی؟ دیکھیں کیسا مشکل دن تھا فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ اے عائشہ! تیری قوم میں سے جو تکلیفیں پہنچیں تو وہ پہنچتی رہیں اور سب سے زیادہ مجھے یوم العقبۃ (یعنی طائف) کے سفر میں جو تکلیف پہنچی وہ پہنچی جب میں نے دعوت توحید اُن کو پیش کی (ابن عبد یالیل اور ابن عبد کُلال جو ہیں یہ دو وہاں پر سردار تھے تو ان میں سے کسی نے قبول نہیں کیا)۔

یعنی آپ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب طائف کا سفر کیا مکہ خفیہ طریقے سے کیا چھپ کر گئے اور سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ساتھ تھے (اور کوئی نہیں تھا اکیلے صرف دو تھے) اس کی خبر کسی کو نہیں ہونے دی اور اصل مقصد یہ تھا کہ جب دعوت مکہ والے قبول نہیں کر رہے اور شدید مخالفت پر اُتر آئے ہیں اور رکاوٹیں پیدا کر رہے ہیں تو دعوت توحید ہی پہنچانی ہے طائف میں جا کر دعوت کو شروع کرتے ہیں۔

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چاہتے تھے کہ طائف سے شروع ہو لیکن اللہ تعالیٰ کی حکمت کچھ اور تھی (سبحان اللہ)، اور طائف کا سفر پیدل کیا، اگر سواری پر سوار ہو کر جاتے تو پتہ چلتا بھئی سواری پر جارہے ہیں کہیں اور جانا ہے تو پیدل تو بندے کا پتہ نہیں چلتا کیونکہ جاسوس بھی بہت زیادہ تھے دیکھ رہے تھے کہ کہاں جارہے ہیں کہاں آرہے ہیں کن سے مل رہے ہیں، بڑا مسئلہ تھا!

تو اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیکھتے ہیں (پانچ ہزار فٹ ہے بلندی طائف کے پہاڑ ہم گاڑی پر جاتے ہیں تھک جاتے ہیں سچ بات ہے!) پیدل سفر کیا اس پر صبر کیا جب وہاں پر پہنچے دعوت پیش کی (دعوت توحید) فوراً انکار کر دیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ریکوئسٹ (Request) کی کہ اچھا میری قوم میں سے کسی کو خبر نہ دینا (ٹھیک ہے دعوت نہیں قبول کرتے ہو وہ الگ بات ہے آپ کی مرضی ہے لیکن میری قوم تک یہ خبر نہ پہنچے کیونکہ واپس تو مکہ ہی جانا ہے پھر کہاں جانا ہے؟!)۔

لیکن اُن کی میں حیران ہوں کہ دیکھیں عرب ہمیشہ کیا مہمان نواز ہوتے ہیں نا یہی عرب سے بہت معروف بات ہے نا کہ بڑے مہمان نواز ہوتے ہیں لیکن (نعوذ باللہ) جب شرک دل میں جگہ کر لیتا ہے تو پھر کوئی خیر باقی نہیں رہتا! اتنی بغض و نفرت اور اتنی بدتمیزی پر اُتر آتے ہیں کہ آپ سوچ بھی نہیں سکتے! ایک عام عربی جو مسکین اور فقیر ہے وہ بھی ایسی مہمان نوازی کرتا ہے کہ آپ حیران ہو جاتے ہیں اب سرداروں کی کیا بندہ بات کرے اُن کو کیسا بڑا مہمان نواز ہونا چاہیے؟!

اُن میں سے ایک نے کہا کہ نہیں ہم اپنا بندہ (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بھیج رہے ہیں) دیکھیں بھیج رہے ہیں یہ جا کر خبر دے گا آپ کی کہ یہاں پر یہ فساد (نعوذ باللہ) لے کر آئے ہیں، اور پھر دو قطاروں میں سے اپنے بندے کھڑے کر دیئے اُن کے جو غلام تھے (جو بچے، لڑکے وغیرہ جو بھی تھے) اور پتھر ہاتھ میں دے دیئے کیونکہ وہیں سے گزرنا تھا اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اور پھر پتھراؤ شروع کر دیا۔

حدیث کے الفاظ دیکھیں ذرا، اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: "فَانْطَلَقْتُ وَأَنَا مَهْمُومٌ عَلَى وَجْهِي" (میں بہت شدید غمزدہ تھا وہاں سے میں چلا گیا) "فَلَمْ أَسْتَفِقْ إِلاَّ وَأَنَا بِقَرْنِ الثَّعَالِبِ" (جگہ ہے قرن ثعالب آگے جا کر طائف سے) وہاں پر مجھے تھوڑا سا کچھ ہوش آیا کہ کیا حالت تھی)۔ اتنی شدید تکلیف تھی!

پھر دیکھیں اللہ تعالیٰ نے تسلی کیسے دی اپنے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو، فرماتے ہیں: ''فَرَفَعْتُ رَأْسِي، فَإِذَا أَنَا بِسَحَابَةٍ قَدْ أَظَلَّتْنِي'' (میں نے سَر اٹھایا تو دیکھا کہ ایک بدلی ہے میرے سَر کے اوپر) ''فَإِذَا فِيهَا جِبْرِيلُ'' (تو اس بدلی میں سیدنا جبریل علیہ الصلاۃ والسلام آئے) ''فَنَادَى فَقَالَ، إِنَّ اللَّهَ قَدْ سَمِعَ قَوْلَ قَوْمِكَ لَكَ، وَمَا رَدُّوا عَلَيْكَ'' (سیدنا جبریل علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! بے شک اللہ تعالیٰ نے سن لیا جو بھی ہوا معاملہ کہ تیری قوم نے کیا کیا اُن لوگوں نے کیا کیا انہوں نے کیا اس کا جواب دیا ہے جو آپ نے اُن سے کہا جو انہوں نے جواب دیا) ''وَقَدْ بَعَثَ اللَّهُ مَلَكَ الْجِبَالِ لِتَأْمُرَهُ بِمَا شِئْتَ فِيهِمْ'' (اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کے فرشتے کو خاص بھیجا ہے آپ جو بھی حکم دینا چاہیں دے دیں)۔ بات کس کی ہو رہی ہے؟ مکہ والوں کی اور طائف والوں کی۔

شدید غمزدہ شدید تکلیف میں، ایک روایت میں آیا ہے: "یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جو پاؤں مبارک ہیں وہ لہولہان ہو گئے خون جاری ہو گیا"۔ یہ جو ایڑیاں ہیں ایڑیوں تک خون تھا اب کتنی شدید چوٹیں کتنے شدید زخم لگے ہوں گے!

تو پھر سیدنا جبریل علیہ الصلاۃ والسلام نے بلایا پہاڑوں کے فرشتے کو: ''ثُمَّ قَالَ: يَا مُحَمَّدُ، فَقَالَ ذَلِكَ فِيمَا شِئْتَ'' (آپ حکم دیں آپ کیا کہتے ہیں اگر آپ چاہیں کہ میں) ''الْأَخْشَبَيْنِ'' (یہ جو دو پہاڑ ہیں بڑے (مکہ اور طائف کے بیچ میں) چاہیں تو دونوں کو ملا دوں آپس میں میں)۔

یعنی کوئی بستی بیچ میں باقی رہے نہ، نہ مکہ والی رہے اور نہ ہی یہ طائف والی (بیچ میں کوئی نہ رہے)۔

دیکھیں جواب دیکھیں، اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رحمت للعالمین ہیں (علیہ الصلاۃ والسلام) رحمت دیکھیں، دیکھیں ہم میں سے کوئی اور ہوتا تو شاید پہلے بدلا ہی لیتا! شدید تکلیف یعنی ایک تو جسمانی تکلیف ہے فزیکل ٹارچر (Physical torture) دیا پھر سائیکلوجیکل چیلنج (Psychological Challenge) بھی کیا ہے بدتمیزی بھی کی ہے یہ ساری چیزیں ہیں اس کے باوجود بھی بڑے پیارے الفاظ ہیں، فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ''بَلْ أَرْجُو أَنْ يُخْرِجَ اللَّهُ مِنْ أَصْلَابِهِمْ مَنْ يَعْبُدُ اللَّهَ وَحْدَهُ لَا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا''۔

کتنی پیاری بات ہے!"بَلْ أَرْجُوا" (میں اللہ تعالیٰ سے یہ امید کرتا ہوں)"أَنْ يُخْرِجَ اللهُ مِنْ أَصْلَابِهِمْ"(کہ اللہ تعالیٰ ان کی پیٹھوں میں سے نکالے "أَنْ يُخْرِجَ اللهُ مِنْ أَصْلَابِهِمْ")"مَن يَعْبُدُ اللَّهَ وحْدَهُ"(جو ایک اللہ کی عبادت کرے گا)"لا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا"(اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائے گا(سبحان اللہ))۔

وہی ہوا کہ نہ ہوا؟ اُن ہی کی اولاد میں سے دعوت کو قبول کیا اور موحدین بنے صحابہ بنے اور پوری دنیا کے فاتح بنے (سبحان اللہ)۔

الغرض، پھر شیخ صاحب فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صبر کیا ہے تکلیفوں پر بھی صبر کیا ہے"فصبر على حكم الله، ولكنه صبر مؤمن يؤمن بأن العاقبة له، لأن الله قال له: ﴿وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا﴾(الطور:48)"، اس یقین کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ کی مدد ساتھ ہے اللہ تعالیٰ کی عنایت اور اللہ تعالیٰ کی حفاظت ساتھ ہے، اور یہ جو جب کوئی بڑا کسی کو کہتا ہے نا کہ تم میری آنکھوں میں ہو یا تم میرے دل میں ہو کتنا اچھا لگتا ہے!

کیا خیال ہے یعنی ایک بادشاہ آپ کے ذمے ایک کام لگاتا ہے کہتا ہے فکر نہ کرو تم میری آنکھوں میں ہو تم میرے دل میں ہو، آپ کام کیسے کریں گے؟ آپ کا مورال (Morale) کتنا بلند ہوگا اور کس طریقے سے آپ (سبحان اللہ)!

دیکھیں جب ربّ ذوالجلال سبحانہ وتعالیٰ اپنے بندے سے کہتا ہے﴿فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا﴾(بے شک تم ہماری آنکھوں میں ہو)، جب ہم کہتے ہیں تم میری آنکھوں میں ہو یا تم میرے دل میں ہو (عام زبان میں) اس کا مطلب ہے کہ بندہ جو ہے دل کے اندر ہے یا آنکھ کے اندر ہے جیسا کہ ہم آنکھ میں کوئی سرمہ لگاتے ہیں ویسے ہوتا ہے کیا؟ کوئی دور سے بھی اس کا یہ معنی ہوتا ہے؟ یہ معنی کیا ہے اس کا میری آنکھوں میں ہو سے کیا مراد ہے؟ میں تمہیں دیکھ رہا ہوں اور تمہاری حفاظت بھی کر رہا ہوں فکر نہ کرو میں تمہارے ساتھ ہوں۔ یہی ہوتا ہے کہ نہیں یا اس کے سوا دوسرا معنی ممکن ہے کہ تم میری آنکھوں میں ہو یعنی تم میری آنکھوں کے اندر ہو؟! کبھی ہو سکتا ہے؟!

آیئے دیکھتے ہیں کہ اہل بدعت نے کس طریقے سے اپنی بدعت کا صرف پرچار ہی نہیں کیا اپنی بدعت کی غلط بنیاد کس چیز پر کی ہے صرف اپنے اس غلط عقیدے کو ثابت کرنے کے لیے کہ اللہ تعالیٰ کی دو آنکھیں نہیں ہیں۔

صفات الکمال میں سے ہیں اللہ کی دو آنکھیں، دلائل ہم ابھی بیان کرتے ہیں ان شاء اللہ یا اگلے درس میں کریں گے لیکن وہ کہتے ہیں: "نہیں! اللہ کی دو آنکھیں نہیں ہیں کیونکہ اس سے جسم کا ہونا لازم ہوتا ہے حصوں کا ہونا لازم ہوتا ہے پھر جسم کا ہونا لازم ہوتا ہے اور یہ تو مخلوق سے تشبیہ ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ اس چیز سے پاک ہے اس لیے اللہ تعالیٰ کی دو آنکھیں نہیں ہیں"۔

دیکھیں عام طور پر بتا رہا ہوں آپ کو عربی لغت کے اعتبار سے ﴿فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا﴾ کوئی بھی نہیں کہے گا کہ کوئی کسی کے ذہن تک بات آ ہی نہیں سکتی کہ آنکھوں کے اندر سے مراد آنکھوں کے اندر ہو، بلکہ آنکھوں کے اندر سے مراد ﴿بِأَعْيُنِنَا﴾ سے مراد یہی ہے سیاق اور سباق سے یہی پتہ چلتا ہے کہ حفظ و امان جو ہے اور مدد اور اعانت اور ساتھ، یہ سارے معنی اس میں شامل ہیں۔

﴿بِأَعْيُنِنَا﴾ سے مراد شیخ صاحب فرماتے ہیں: "يعني: فإنك محروس غاية الحراسة، محفوظ غاية الحفظ" (پروٹیکشن (Protection) اور حفاظت کے معنی میں) اور: "أعيننا معك، نحفظك، ونرعاك، ونعتني بك" (عنایت ہے رعایت ہے، حفاظت ہے ساتھ ہے، یہ ساری چیزیں ہیں) "في الآية الكريمة إثبات العين لله عز وجل" (اللہ تعالیٰ کی آنکھ کی صفت کا ثبوت ملتا ہے) "لكنها جاءت بصيغة الجمع" (لیکن صیغت ہے (أعين))۔

ہم دو آنکھوں کی بات کر رہے ہیں اور یہاں پر صیغت کون سی ہے؟ أعین جمع ہے یا عَینَان؟ عَینَان کیا ہے؟ تثنیہ: دو آنکھیں ہیں۔ اور عربی میں أعین کہتے ہیں جمع کو (دو سے زیادہ)۔

"لما سنذكر" (ان شاء اللہ آگے ہم بیان کریں گے اس کی تفصیل)۔

اور عین جو ہے (آنکھ جو ہے) یا دو آنکھیں اللہ تعالیٰ کی صفات ذاتیہ خبریہ میں سے ہیں، ذاتیہ اس لیے کہتے ہیں کیونکہ ہمیشہ سے اللہ تعالیٰ اس صفت سے متصف ہے، اور خبریہ اس لیے ہے کیونکہ خبر سے ہمیں پتہ چلی ہیں اور ہمارے اندر جو ہیں یہ صفات أجزاء و ابعاض ہیں (حصے ہیں) اس لیے اس کو خبریہ کہتے ہیں (خبریہ کیوں کہتے ہیں پہلے بھی میں بتا چکا ہوں)۔

"ذاتیہ": ذات کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی آنکھیں ہمیشہ سے ہیں، یہ نہیں کہ بعد میں اللہ تعالیٰ میں کوئی چیز شامل ہوئی، نہیں! ذاتیہ ہیں (ہمیشہ سے ہیں) یہ نہیں کہ جب چاہے اللہ تعالیٰ تو پھر ہو۔

دیکھیں اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے کہ نہیں؟ راضی ہوتا ہے کہ نہیں؟ ہمیشہ اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے؟ نہیں۔ اس کی وجہ ہے کہ مشیئت ہے جب چاہتا ہے تو راضی ہوتا ہے جب چاہتا ہے ناراض ہوتا ہے۔ تو یہ کون سی ہے صفت؟ یہ فعلیہ ہے۔ اس کی ضد میں کون سی صفت ہوتی ہے؟ "ذاتیہ" جو ہمیشہ سے اللہ تعالیٰ متصف ہوتا ہے جس کا مشیئت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

اب اللہ تعالیٰ کی دو آنکھیں ہیں یہ صفت کون سی ہے ذاتیہ ہے یا فعلیہ ہے؟ ذاتیہ ہے اس لیے اس کو ذاتی کہتے ہیں۔

خبری کیوں کہتے ہیں؟ خبری اس لیے کہتے ہیں کہ ایک تو خبر سے یعنی قرآن اور سنت کی وحی جو دلیل سے ہمیں اس کی خبر ملی ہے، دوسرا اس کے جو مقابلے میں مخلوق میں یہ حصے ہوتے ہیں جیسا کہ ہاتھ ہیں، آنکھیں ہیں، پاؤں ہیں، یہ انگلیاں ہیں، یہ مخلوق میں حصے سمجھے جاتے ہیں اس لیے ان کو صفات خبریہ کہتے ہیں۔

پھر شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ): مخلوق میں جو آنکھ ہے وہ چہرے کا حصہ ہے اور چہرہ جو ہے وہ جسم کے حصوں میں سے ہے، لیکن خالق کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ ہم یہ کہیں: (۱) کہ اللہ تعالیٰ کے بعض حصوں میں سے ہے کیونکہ ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں کہ یہ لفظ موجود ہی نہیں ہے۔ (۲) اور اس سے تجزیت جو ہے اور حصے خالق کے لیے مقتضی ہیں تو اس لیے یہ لفظ جو ہے یہ کہنا درست نہیں ہے۔ (۳) اور تیسری بات یہ ہے شیخ صاحب فرماتے ہیں کہ جو حصے ہوتے ہیں ان کے ختم ہونے سے جو کُل ہے یا موجود رہتے ہیں یا اُن کا خاتمہ بھی ہو سکتا ہے۔

یعنی مخلوق میں اب آنکھ ایک حصہ ہے ہاتھ بھی حصہ ہے دل بھی حصہ ہے کہ نہیں مخلوق میں؟ سَر بھی حصہ ہے کہ نہیں؟ بعض ایسے حصے ہیں جن کے فقدان سے جسم باقی رہتا ہے کُل باقی رہتا ہے، اور بعض ایسے حصے ہیں جن کے فقدان سے کُل بھی ختم ہو جاتا ہے۔

اب سَر اور ہاتھ یا آنکھ سب حصے ہیں کہ نہیں مخلوق میں؟ سَر کے جانے سے جسم باقی رہتا ہے؟ ختم ہو جاتا ہے نا۔ اچھا آنکھ کے جانے سے رہ سکتا ہے کہ نہیں؟ رہ سکتا ہے۔ ہاتھ کے جانے سے؟ رہ سکتا ہے۔

تو اس لیے یہ جو اَبعاض ہیں مخلوق میں ان کو حصے اس لیے کہتے ہیں کہ ان کے بعض کے جانے سے یا نہ جانے سے جسم جو کُل ہے وہ رہتا ہے، لیکن خالق میں اس لیے ہم یہ نہیں کہہ سکتے جائز نہیں ہے اگر حصے کہیں گے خالق کے لیے تو پھر فنا ممکن ہے اللہ تعالیٰ کے لیے تو اس لیے حصے کا کہنا اَجزاء و اَبعاض خالق کے لیے جائز نہیں ہے یہ۔

اس لیے جو بہترین لفظ ہے اس کے لیے علماء کہتے ہیں وہ ہے صفات خبریہ، ذاتیہ خبریہ۔

سوال: اگر کوئی کہے تو؟ جواب: تو جائز نہیں ہے اللہ کے حصے کہاں ہیں؟!

سوال: حکم کیا ہوگا؟ جواب: حکم جائز نہیں ہے۔

مطلب اگر جان بوجھ کر کوئی کہتا ہے تو پھر ظاہر ہے اللہ تعالیٰ کے حصے کہنا کفریہ الفاظ ہیں جائز نہیں ہے لیکن اَجزاء و اَبعاض خالق کے لیے جائز نہیں ہیں مخلوق میں ہیں۔ خالق میں ہم کیا تصور کر سکتے ہیں؟ تصور نہیں کر سکتے ہم تصور کرنا بھی جائز نہیں ہے۔ کیوں؟ کیفیت ہے کیفیت سے منع کیا گیا ہے۔﴿وَلَا يُحِيطُونَ بِهِۦ عِلْمًا﴾(طٰہٰ:110)احاطہ کر نہیں سکتے تو کیفیت کیسے آسکتی ہے؟!

دیکھیں کسی چیز کی کیفیت کہ یا تو آپ اس چیز کو دیکھتے ہیں، یہ دیکھیں یہ پانی کی بوتل ہے آپ اس کو دیکھ رہے ہیں احاطہ بھی ہے پتہ ہے پانی کی بوتل ہے، اب دوسری کمپنی کی پانی کی بوتل جو ہے جیسے بھائی پی رہے ہیں صفاء والی بھائی کہتے ہیں دیکھی ہے؟ جانتے ہیں پانی کی بوتل جو پیک پانی کی بوتل آتی ہے وہ نہیں دیکھی آپ نے یہ دیکھی ہوئی ہے آپ کو کوئی اندازہ تو ہوگا کہ کیسی ہوگی کہ نہیں؟ سائز چھوٹا بڑا ہو سکتا ہے لیکن یہ پتہ ہے کہ پانی کی بوتل پلاسٹک پیک میں آتی ہے اور اس میں پانی ہوتا ہے۔ یا تو آپ چیز خود دیکھتے ہیں یا اس کا نظیر کوئی چیز دیکھتے ہیں پھر پتہ چلتا ہے کیفیت کا۔

نہ تو اللہ تعالیٰ کو کسی نے دیکھا ہے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کا کوئی نظیر ہے (نہ اس جیسی کوئی اور چیز ہے) تو کیفیت کیسے ممکن ہے؟! ناممکن ہے شرعاً اور عقلاً بھی ناممکن ہے۔

تو اس اعتبار سے حصوں کا کہنا جائز نہیں ہے خالق کے لیے کسی صورت میں کیونکہ حصے اگر کہتے ہیں تو حصے جیسے میں نے کہا ہے مخلوق میں کُل بھی فنا ہو سکتے ہیں اس کے فقدان سے کہ نہیں؟ خالق کا فقدان تو ناممکن ہے فنا تو ناممکن ہے (خالق کا فنا ہونا تو ناممکن ہے مستحیلات میں ہے) اس لیے یہ الفاظ استعمال کرنا بیان کرنا درست نہیں ہے۔

یہ الفاظ کہاں سے آئے ہیں پتہ ہے؟

دیکھیں یہ ﴿فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا﴾ صحابہ نے سنا(ہم نے بھی سنا) بعد والے لوگوں نے بھی سنا صحابہ نے اعتراض کیا کہ آنکھ کے اندر کیسے ہے؟ یا وہ آنکھیں کیسی ہیں؟ یا دو آنکھیں کیوں نہیں ہیں اللہ تعالیٰ کی؟

یہ کب مصیبت آئی؟! جب فلسفے کو شامل کر دیا۔ یونانی فلسفہ بیچ میں آیا، اِدھر اُدھر کی سوچیں مختلف آئیں اور پھر تعریب کی گئی، جو عجم آئے عرب قرآن مجید کے ترجمے کیے گئے اور جو عجم ہیں وہ آئے تو انہوں نے اپنے فلسفے کچھ شامل کیے، پھر اہل بدعت موجود تھے، جو دین کے دشمن تھے وہ بھی موجود تھے، کم علم بھی موجود تھے جاہل بھی موجود تھے، تو عجیب سی کھچڑی پک گئی جس کی وجہ سے یہ بدعت آئی۔

﴿اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى﴾(طہ:5)"كيف استوى؟" امام مالک رحمہ اللہ نے کیوں شدید غصے کا مظاہرہ کیا؟ بھئی اس سے پہلے کسی نے سوال کیا ہے یہ؟! صحابہ نے سوال کیا؟ یہ آیت بار بار پڑھی ﴿اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى﴾، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بار بار پڑھی صحابہ نے بار بار سنی کسی نے ایک مرتبہ بھی پوچھا "كيف استوى؟"۔ کیونکہ پتہ ہے کہ معنی معلوم ہے استواء کا کیفیت مجہول ہے غیر معلوم ہے، ایمان واجب ہے اس پر۔ اور سوال کرنا کیوں بدعت ہے؟ کیونکہ صحابہ سلف نے سوال کیا نہیں ہے، اور مجلس سے نکال دیا؛ "أخرجوه" نکالو اسے میری مجلس سے یہ یہاں فتنہ فساد پھیلائے گا(سبحان اللہ)۔

﴿فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا﴾: صحابہ نے سوال کیا کہ اس سے کیا مراد ہے جمع کا صیغہ کیوں ہے یہ صیغہ کیوں ہے؟ اللہ تعالیٰ کی دو آنکھیں ہیں بات ختم ہوگئی۔

لیکن جب اہل بدعت آئے اور انہوں نے ایک ایک اللہ تعالیٰ کی صفت کا انکار کرنا شروع کیا اور شبہات پھیلانے لگے تو اہل سنت نے بھی اتنی سختی کے ساتھ جواب دیا اتنی شدت کے ساتھ جواب دیا اتنی تفصیل کے ساتھ جواب دیا اور یہاں تک کہ جو آپ کہتے ہیں نا "کہ جسم لازم آتا ہے اس میں حصے لازم آتے ہیں"، یہ لازم نہیں ہے اور یہ تفصیل بیان کی کیونکہ حصے کیا ہوتے ہیں مخلوق میں کیا ہوتے ہیں خالق میں ناممکن ہے یہ تفصیل اس لیے آئی ہے ورنہ ضرورت ہی نہیں تھی اس تفصیل کی!

آگے تفصیل دیکھیں بڑی پیاری تفصیل ہے آگے، ایک تو آیت آگئی ہے ﴿فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا﴾ یہاں پر جمع ہے ہم نے دو آنکھیں کہاں سے لی ہیں اس کی دلیل دیکھیں آپ۔

"وقد دل الحديث الصحيح عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أن لله عينين اثنتين فقط" (عينين اثنتين فقط: دو آنکھیں ہیں صرف)۔ دلیل شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ): جب اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دجال کا وصف کیا ہے فرمایا: "إِنَّهُ أَعْوَرُ وَإِنَّ رَبَّكُمْ لَيْسَ بِأَعْوَرَ" (دجال کانا ہے اور تمہارا ربّ کانا نہیں ہے (أعور کہتے ہیں جس کی ایک آنکھ نہ ہو یا ایک آنکھ میں خرابی ہو))۔

یہ متفق علیہ حدیث ہے کہ دجال أعور ہے "وَإِنَّ رَبَّكُمْ لَيْسَ بِأَعْوَرَ"۔

اور دوسری متفق علیہ حدیث میں آیا ہے: "أَعْوَرُ عَيْنِ الْيُمْنَى" (دجال جو ہے وہ دائیں آنکھ کا کانا ہے)۔

پھر شیخ صاحب فرماتے ہیں: بعض لوگوں نے کہا ہے کہ أعور سے مراد عیب والی آنکھ ہے عور العین سے، نا کہ آنکھ کا کانا یعنی آنکھ کی اس کی خرابیاں نہیں ہیں (یعنی تھوڑا سا عیب ہو گا)۔

شیخ صاحب فرماتے ہیں: یہ تحریف ہے اور تجاہل ہے صحیح لفظ سے کیونکہ جو صحیح بخاری وغیرہ میں ثابت ہے: "أَعْوَرُ الْعَيْنِ الْيُمْنَى، كَأَنَّ عَيْنَهُ عِنَبَةٌ طَافِيَةٌ"، یہ متفق علیہ حدیث میں جو آیا ہے یہ بالکل واضح ہے، اور أعور جو ہے عربی زبان میں کانے پن کو کہتے ہیں لیکن عور اور عوار اور لفظ ہے، اُس میں عیب کا معنی پایا جاتا ہے۔

یعنی بعض لوگوں نے عربی زبان کا سہارا لینے کی کوشش کر کے اللہ تعالیٰ کی دو آنکھوں کی نفی کرنی چاہی ہے، کہتے ہیں: أعور سے مراد کانا نہیں ہے عربی زبان میں أعور جو ہے وہ آنکھ کی خرابی کو بھی کہتے ہیں (عیب والی آنکھ تھوڑا سا عیب ہو گا)۔

تو جس سے دو آنکھ ثابت ہوتی ہے کانا تو ایک آنکھ ہوتا ہے نا؟! ہم یہ کہتے ہیں یعنی دلیل کہاں سے ملتی ہے اللہ تعالیٰ کی دو آنکھیں ہیں؟ اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں دجال کے تعلق سے کہ دجال کانا ہے اور تمہارا ربّ کانا نہیں ہے۔ عربی زبان میں کانا کہتے ہیں جس کی ایک آنکھ ہو دوسری آنکھ خراب ہو آنکھ نہ ہو دوسری أعور اسے کہتے ہیں، جب دجال أعور ہے تمہارا ربّ أعور نہیں ہے تو کتنی آنکھیں ہوئیں؟ دو ہوئیں۔

تواُن لوگوں نے جب دیکھا جو مخالفین ہیں، کہتے ہیں: أعور سے مراد صرف یہ نہیں کہ آنکھ نہ ہو بلکہ اس سے مراد آنکھ کا عیب بھی ہے (عیب زدہ آنکھ)۔

توشیخ صاحب فرماتے ہیں: یہ تحریف بھی ہے لفظ کی اور تجاہل بھی ہے صحیح معنی کا جو صحیح بخاری کی حدیث میں آیا ہے (متفق علیہ حدیث میں آیا ہے)۔ وہ کیسے ؟ أعور اور عور: "أعور" ایک ہے ایک نہیں ہے، دونوں میں سے ایک کے جانے کو أعور کہتے ہیں (دو آنکھیں ہیں ایک ختم ہوگئی ہے تو اسے أعور کہتے ہیں)۔ "عور" کہتے ہیں کہ آنکھیں تو موجود ہیں دونوں لیکن ایک آنکھ میں تھوڑا سا عیب ہے اسے عور کہتے ہیں (عور الف سے نہیں عین سے (عور) یا عوار بھی کہتے ہیں)۔ یہ دونوں میں فرق ہے۔

پھر شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ): "وهذا الحديث يدل على أن لله تعالىٰ عينين اثنتين فقط" (صحیح حدیث سے ثابت ہوا (متفق علیہ حدیث سے یعنی) کہ اللہ تعالیٰ کی صرف دو آنکھیں ہیں)۔

وجہ الدلالہ کیا ہے یعنی دلیل ہم نے کہاں سے لی ہے؟ کہ اگر اللہ تعالیٰ کی دو آنکھوں سے زیادہ ہوتیں تو بیان عور سے نہ ہوتا اس سے زیادہ بہتر لفظ سے ہوتا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے (یعنی مثال): "إنَّ ربَّكم له أعين" اگر دو آنکھوں سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی آنکھیں ہوتیں۔

کیونکہ بات یہ ہو رہی ہے أعین قرآن مجید میں آیا ہے ﴿بِأَعْيُنِنَا﴾ جمع کا صیغہ ہے عینین کا لفظ کہاں سے آیا ہے؟ اس حدیث سے "وَإِنَّ رَبَّكُمْ لَيْسَ بِأَعْوَرَ" (تمہارا ربّ أعور نہیں ہے)۔

شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ): کہ ہم نے دو آنکھیں کہاں سے لی ہیں؟ جب دجال کے تعلق سے فرمایا ہے کہ ایک آنکھ ہے أعور ہے ایک آنکھ کا دجال جو ہے اور تمہارا ربّ أعور نہیں ہے (یعنی اللہ تعالیٰ کی دو آنکھیں ہیں)، اگر دو سے زیادہ مراد ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ نہ فرماتے کہ تمہارا ربّ أعور نہیں ہے بلکہ یہ فرماتے کہ تمہارے ربّ کی بہت آنکھیں ہیں کیونکہ مقام یہی تقاضہ کرتا ہے (سبحان اللہ)، تو ایک تو یہ فرماتے: "لأنه إذا كان له أعين أكثر من ثنتين، صار وضوح أن الدجال ليس برب أبين" (اس سے زیادہ واضح ہوتا کہ دجال ربّ ہو ہی نہیں سکتا)۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی دو سے زیادہ آنکھیں ہوتیں "لكان ذلك من كماله، وكان ترك ذكره تفويتاً للثناء على الله" (اگر دو آنکھوں سے زیادہ آنکھیں ہوتیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف دو کا ذکر کیا أعور کے لفظ سے

(تو اللہ تعالیٰ کی مدح میں کمی ہوتی یا نہیں کہ ہیں تو دو سے زیادہ ذکر صرف دو کا کیوں کیا ہے؟!) تو مدح میں بھی کمی ہوتی اور ثناء میں بھی کمی ہو جاتی)۔

کیوں؟ یہ قاعدہ ہے: ''لأن الكثرة تدل على القوة والكمال والتمام'': اور اگر اللہ تعالیٰ کی دو سے زیادہ آنکھیں ہوتیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ضرور بیان فرماتے اور یہ جو کمال ہے ہمارے عقیدے میں یہ بھی واضح ہو جاتا۔

پھر ابن القیم رحمہ اللہ کا ذکر کرتے ہیں شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ کہ "الصواق المرسلة" کتاب جو ہے ابن القیم رحمہ اللہ کی اس میں ایک روایت ہے لیکن ضعیف روایت ہے اس لیے اس کو یعنی بنیاد نہیں بنایا گیا: ''إن العبد إذا قام في الصلاة قام بين عيني الرحمن ...'' (رحمٰن کی دونوں آنکھوں کے بیچ میں انسان جب نماز پڑھتا ہے تو کھڑا ہو جاتا ہے)، لیکن یہ تثنیہ کا لفظ ہے ''عيني'' واضح ہے لیکن ضعیف حدیث ہے لیکن دجال کی حدیث بالکل واضح ہے جو صحیح متفق علیہ حدیث ہے۔

اور پھر امام عثمان بن سعید الدارمی رحمہ اللہ جو ہیں اس کی ایک تصنیف ہے بڑی پیاری کتاب ہے "رده على بشر المريسی" (بشر المریسی جو معروف جہمی ہے اس پر ردّ کیا انہوں نے کتاب لکھی ہے)۔

اور ابن خزیمہ نے بھی "كتاب التوحيد" میں بیان کیا ہے۔

اور اجماع السلف (یعنی حدیث جو ہے جس کا ذکر کیا ہے دجال والی متفق علیہ حدیث میں بھی ہے، امام عثمان بن سعید الدارمی نے بھی اس کا ذکر کیا ہے بشر المریسی کا ردّ کرتے ہوئے، اور ابن خزیمہ نے کتاب التوحید میں بھی اس کا ذکر کیا، اور اس پر اجماع السلف بھی ہے) کہ سلف کا اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ کی دو آنکھیں ہیں، اور یہ اجماع ابو الحسن الأشعری رحمہ اللہ نے اور ابو بکر الباقلانی نے اسے بیان کیا۔

امام ابو الحسن الأشعری رحمہ اللہ نے آخری وقت میں بعض علماء کہتے ہیں کہ انہوں نے رجوع کر لیا تھا اپنی اُشعریت سے اور انہوں نے ثابت کیا کہ اللہ تعالیٰ کی دو آنکھیں ہیں۔

پھر شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ): ''فعقيدتنا التي ندين لله بها'' (ہمارا جو عقیدہ ہے جو ہمارا دین ہے وہ یہ ہے کہ) ''أن لله تعالى عينين اثنتين، لا زيادة'' (کہ اللہ تعالیٰ کی دو آنکھیں ہیں دو سے زیادہ نہیں ہیں)۔

پھر شیخ صاحب فرماتے ہیں: بعض سلف میں سے بعض سلف نے یہ کہا ہے کہ ﴿بِأَعْيُنِنَا﴾ جو آیت میں آیا ہے سے مراد ''بمرأى منا'' (ہمارا دیکھنا جو ہے)۔

"اس سے یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دیکھا تو ہے (اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے) لیکن اس سے آنکھ ثابت نہیں ہوتی": یہ معروف سلفی علماء ہیں جنھوں نے یہ معنی لیا ہے اور تم لوگ یہ کہتے ہو کہ تحریف جائز نہیں ہے ممتنع ہے تو اس کا جواب کیا ہے؟ یعنی تحریف سے روکتے بھی ہو پھر تحریف خود بھی کرتے ہو تمہارے سلف میں سے ثابت ہے بعض سلفی علماء نے بھی اس کی تاکید کی ہے کہ ﴿بِأَعْيُنِنَا﴾ سے مراد دیکھنا ہے، دیکھنے کا معنی ہے کہ دیکھنا بھی اس میں ثابت ہوتا ہے کہ میں دیکھ رہا ہوں۔

اس کا جواب یہ ہے شیخ صاحب فرماتے ہیں: "أنهم فسروها باللازم، مع إثبات الأصل" ((بڑی پیاری بات ہے) کہ لازم سے تو تفسیر کی ہے لیکن اصل کو ثابت پہلے کیا ہے)۔

اصل کو ثابت کرنے کے ساتھ سلف نے یہ معنی لیا ہے جو آنکھ کے دیکھنے سے لازم آتا ہے کہ دیکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ دیکھتا بھی ہے اور حفاظت بھی کرتا ہے اور آنکھ بھی ثابت ہوتی ہے اس سے۔ اصل کیا ہے؟ "إثبات الأصل" آنکھ کا ثابت ہونا ہے۔

اور لازم کیا ہے؟ آنکھ ہے تو پھر دیکھنا بھی ہے دیکھنے کی نفی تو نہیں کی، اور یہی وجہ ہے کہ اہل تحریف جو ہیں وہ دیکھنے کو ثابت تو کرتے ہیں "بمرأى منا" (دیکھا ہے)، لیکن جو اصل ہے "إثبات العين" اس کی نفی کر دیتے ہیں۔

اور اہل سنت والجماعت جو ہیں وہ یہ کہتے ہیں: ﴿بِأَعْيُنِنَا﴾ سے مراد دیکھنا بھی ہے اور آنکھ کا ثابت ہونا بھی ہے (دونوں چیزیں ہیں)۔

اور آنکھ کا ذکر یہاں پر اس لیے ہے کہ اس سے تاکید ہوتی ہے دیکھنے کی ورنہ دیکھنے کا لفظ بھی ہو سکتا تھا "کہ ہم دیکھ رہے ہیں، اے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تجھے دیکھ رہے ہیں"۔

تو عین کا لفظ کیوں ہے؟ کیونکہ اس میں دو فائدے ہیں: (۱) ایک تو دیکھنا بھی ثابت ہے۔ (۲) پھر آنکھ کا ہونا بھی ثابت ہے۔ اس لیے زیادہ تاکید کی ہے۔

"ولهذا قال: ﴿فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا﴾ " (اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ﴿فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا﴾ اے میرے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ ہماری آنکھوں میں ہیں)۔

یہاں پر ڈرائنگ کریں اگلے درس میں یہاں سے شروع کریں گے: ''قالت المعطلة''معطلہ نے کہا ہے کہ تم لوگوں نے بڑی سخت مخالفت کی ہے ہماری اور یہ کہا ہے کہ تاویل کا انکار ہے تاویل مانتے نہیں ہو، ہمیں کہتے ہو کہ ہم تاویل تحریف سے کام لیتے ہیں اور تم نے تو آیت کو ظاہر سے نکال دیا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا﴾ تم بھی ظاہر لے لو، اگر تم ظاہر کو لے لیتے ہو (ظاہر لفظ کو لے لیتے ہو) تو پھر کفر ہے اور اگر ظاہر کو نہیں لیتے ہو تو پھر تناقض میں پڑ جاتے ہو کنٹراڈکشن (Contradiction) ہے تمہارا کہ تمہیں بھی تاویل کرنی ہی پڑے گی اور تم تاویل کو جائز قرار دو گے، ایک طرف کہتے ہو کہ تاویل جائز نہیں ہے اسے تحریف کا نام دے دیتے ہو اور پھر خود بھی وہی عمل کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے دین میں اپنی مان مانی نہیں ہے کیا یہ؟!

تو اس کا جواب ان شاء اللہ اگلے درس میں دیں گے بڑا پیارا تفصیلی جواب ہے کہ اصل تاویل کیا ہے، اور تاویل تم لوگ کیسے کرتے ہو کیسے تم سے ہوئی، اور جو سلف کا فہم ہے اس میں اور جو اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے اللہ تعالیٰ کی آنکھ کے تعلق سے اور جیسے دیگر صفات ہیں ظاہر کا معنی جو لیتے ہیں ﴿فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا﴾ یعنی اصل میں یہ کہہ رہے ہیں ظاہر سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وہ کہتے ہیں کہ ﴿بِأَعْيُنِنَا﴾ سے آنکھ مراد نہیں ہے (اصلی آنکھ جو اصل آنکھ ہے) اس سے مراد دیکھنا ہے۔ کیوں؟ کہتے ہیں اگر اصل آنکھ مراد ہے تو اس کا مطلب یہ ہے ﴿فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا﴾ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کی آنکھ کے اندر ہیں تو یہ ماننا پڑے گا تمہیں۔ اگر مانتے ہو تو کفر ہے، نہیں مانتے ہے تو تاویل کرنی پڑے گی، تاویل سے ہمیں منع کرتے ہو خود کرتے ہو۔

اگلے درس میں اس کا تفصیل سے جواب دیں گے ان شاء اللہ بڑا پیارا جواب ہے اور چھوٹا سا ہوم ورک بھی دے رہا ہوں میں تیار کر لینا آپ کا فائدہ بھی ہوگا کہ حرف الباء کے کتنے معنی ہیں؟

اختلاف کس میں ہے؟ ﴿بِأَعْيُنِنَا﴾ حرف الباء میں اختلاف ہو رہا ہے اب اس حرف الباء میں ہی جواب ہے۔ میں آپ کو ہنٹ (Hint) دے رہا ہوں اگلے درس میں ان شاء اللہ اس پر بات کریں گے کہ یہ خوبصورتی ہے عربی زبان کی میں نے پہلے بھی درس کے شروع میں کہا تھا اسی پر درس کو ختم کر رہا ہوں آج کہ اتنی خوبصورت زبان ہے کہ ایک حرف الباء کے دس سے زیادہ معنی ہیں (تیرہ، چودہ کے قریب ہوں گے غالباً حرف الباء کے صرف)۔

ایک اس کا جواب دیں گے ،اوراس میں ایک مثال یاد آگئی، جبری کہتے ہیں انسان مجبور ہے، قدری کہتے ہیں انسان خود مختار ہے ،اور کہتے ہیں یعنی ایک حدیث میں آیا ہے کہ تم میں سے کوئی شخص جنت میں اپنے عمل سے داخل نہیں ہو گا "بِعَمَلِهِ" حرف الباء ہے۔اور آیت میں کیا ہے؟﴿ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ﴾ (جنت میں داخل ہو جو عمل تم کیا کرتے تھے) (النحل:32)۔

﴿بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ﴾ یہاں حرف الباء ہے وہ بھی حرف الباء ہے، کہتے ہیں یہ تو تضاد ہے کیسے ممکن ہے کیسے مانیں ہم اپنے عمل سے جنت میں داخل نہیں ہو سکتا حدیث میں آیا ہے اور قرآن میں ہے کہ اپنے عمل سے جنت میں داخل ہوں گے ؟! تو کسی نے وہ معنی کسی نے وہ معنی لیا۔

جواب ، اللہ تعالیٰ نے اہل سنت والجماعت کو اس میں توفیق عطا فرمائی ہے انہوں نے کہا: کہ بھئی کنٹراڈکشن (Contradiction) ہی نہیں ہے اس میں کیونکہ جو حرف الباء حدیث میں ہے وہ حرف الباء آیت میں نہیں ہے۔

حرف الباء ایک ہی ہے لیکن جو معنی حرف الباء کا حدیث میں ہے وہ معنی حرف الباء کا جو ہے آیت میں نہیں ہے۔

"لَنْ يَدْخُلَ أَحَدَكُمْ الْجَنَّةَ بِعَمَلِهِ" (کوئی شخص جنت میں تم میں سے اپنے عمل سے داخل نہیں ہو گا)۔ حرف الباء کہ "جنت میں اپنے عمل سے" دیکھیں یہاں پر عمل کی نفی ہے، وہاں پر عمل کا اثبات ہے آیت میں: ﴿ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ﴾۔

تو ظاہر کا مطلب دیکھتے ہیں پریشان ہو جاتے ہیں کہتے ہیں یہ کیا ہو گیا ہے یہاں پر عمل کی نفی ہے کہ عمل سے جنت میں نہیں جا سکتے اور یہاں پر صرف عمل سے جنت میں جائیں گے یہ ماجرا کیا ہے؟!

حرف الباء کا ماجرا ہے میرے بھائیو! بس۔ حرف الباء جو حدیث میں ہے اسے باء العوضیۃ کہتے ہیں کہ عمل کے عوض جنت (یا بدلہ جو ہے) عمل کا بدلا عمل کے عوض جنت نہیں ہے۔ ہمارا عمل کیوں؟! جنت کتنی عظیم جنت ہے! اس لیے نفی ہے۔ کہتے ہیں کہ بے شک کوئی شخص اپنے عمل کے عوض میں جنت میں نہیں جائے گا لیکن جو آیت میں ہے باء السببیۃ (سبب ہے)، ﴿ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ﴾: اپنے عمل کے سبب تو جنت میں جاؤ گے (سبحان اللہ)۔

ایک چھوٹی سی مثال دی ہے اگلے درس میں مزید دیکھتے ہیں ان شاءاللہ کہ کتنی قسمیں ہیں اور جو کہتے ہیں نا کہ نہ منہ توڑ جواب جیسے ہوتا ہے عربی زبان سے ہی ہے کہ اہل بدعت جو ہیں جو کہتے ہیں ظاہر معنی لیتے ہو ﴿فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا﴾ تو کفر لازم آتا ہے، اگر ظاہر معنی نہیں تو تاویل لازم آتی ہے تاویل تاویہ سے تم ہمیں منع کرتے ہو خود تاویل میں پڑ گئے ہو تو تاویل تمہیں ماننی ہی پڑے گی اس لیے ہم بھی تاویل سے کام لیتے ہیں اب تمہیں بھی کام کرنا پڑے گا تاویل سے۔

تو حرف الباء سے جواب دیں گے ان شاءاللہ اگلے درس میں۔((واللہ أعلم))۔

سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ

یہ رسالہ ڈاکٹر مرتضی بن بخش (حفظہ اللہ) کے آڈیو درس (42.العقیدۃ الواسطیۃ) سے لیا گیا ہے۔
سبق لسانی اور تعبیر کی غلطی کو درست نہیں کیا گیا ہے۔ قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اگر کوئی اور غلطی نظر آئے تو ضرور آگاہ کریں اور اس خیر کے کام میں شامل ہو جائیں۔